

ماہنامہ کے، جہو کے سے (قسط ۷) تحریر: محمد یعقوب اختر ترتیب: شیخ عبدالحمید احرار

احرار اور تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خاکستر سے جہاں ملت فروش، ملک دشمن، انگریز پرست اور قومی غداروں نے جنم لیا وہاں اسکے مقابل اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے حق کے نقیب، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار، آزادی کے متوالے اور حضور اقدس ﷺ کی ناموس کے رکھوالے "احرار" پیدا ہوئے۔ احرار اکابر میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، جدوہری افضل حق، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد گلشیر شید، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، آغا شورش کاشمیری، احسن عثمانی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی چاندھری، مرزا غلام نبی جانبار، مولانا مجاہد الحسینی، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، مولانا عبید اللہ احرار، جناب صوفی عبدالرحیم نیازی، سردار محمد شفیع، جدوہری معراج الدین، غازی محمد حسین اور دیگر ان گنت رضا کاران احرار میں استقلال وطن اور آقائے تاجدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عترت و ناموس اور تحفظ ختم نبوت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ انگریز اپنے حکومتی جاہ و جلال، کروفر، اپنی طاقت کی بد مستی اور قاہرانہ جبر و تشدد کے باوجود احرار کے مفلس و نادار، بے سرو سامان اور غریب رضا کاروں کو نہ ہراساں کر سکا، نہ دبا سکا نہ جنس بازار بنا کر خرید ہی سکا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب منڈی میں ضمیر فروش بڑے بڑے جاگیردار، نواب، وڈیرے اور سرمایہ دار اپنی عزت و ناموس تک کا نیلام اپنی دستار کے جعلی طرہ امتیاز کو اونچا رکھنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ فوج و پولیس کا ظلم و ستم، بندوقوں کی گولیاں۔ لاشیوں کی مار جیلوں کی تنگ و تاریک کچی کوٹھڑیاں احرار والوں کو اعلیٰ کلمۃ الحق سے باز رکھنے میں ہمیشہ ناکام رہے۔ جب بھی احرار رہنماؤں اور رضا کاروں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ لنگے جذبوں اور حوصلوں کے لئے مہمیز کا کام کر گیا۔ اور انگریز حکومت اور اسکے ذلہ خواروں کے ہاتھ سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ نہ آیا۔

احرار اتنے جرمی اور بہادر تھے کہ حد الت کا کٹھن اور فرنگی کا دبدبہ انکو حق اور سچ کہنے سے نہ روک سکا۔ احرار انسان ہونے کے ناطے کسی دنیاوی معاملہ میں غلطی تو کر سکتے تھے لیکن حضور اقدس ﷺ کی حرمت اور ختم نبوت کے تحفظ کے لئے سارقان ختم نبوت مرزائیوں کے تعاقب میں کبھی کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوئے۔ نہ ہی اس معاملہ میں کسی کو انہوں نے معاف ہی کیا۔ بلکہ اس مسئلہ پر جان مال اور عزت تک کی بازی گانے پر تیار رہے۔ احرار کا اس نقطہ پر وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ باغیان ختم نبوت کے خلاف ہر ظلم و جبر کا

مردانہ وار مقابلہ اپنے ایمان کی تکمیل کا جز سمجھتے تھے اور ان قربانیوں کا صلہ داورِ مشر پر چھوڑ دیتے کہ جس دن کچھ چہرے سیاہ اور کچھ نورانیت سے سفید ہوں گے۔

۱۹۵۳ء میں مسلم لیگی قیادت کی ناماقتب اندیشی اور اسکی حکومت کی کوتاہ نظری، سیاسی تعصب اور مخالفانہ رویہ نے تحفظ ختم نبوت جیسی مقدس تحریک کو اپنی جھوٹی انا کی بیہوش چڑھا دیا۔ پولیس اور انتظامیہ کے اعضاء جب پھرے ہوئے عوام کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ تو پھر فوج کو اپنے ہی شہریوں کے مقابل لاکھڑا کرنے کی حماقت کی۔ جس کے نتیجے میں کلہ طنبہ کا ورد کرتے ہوئے اور گلے میں قرآن پاک حائل کئے ہوئے ہزاروں بے ضرر اور خستہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر خاک و خون میں ٹپا دیا گیا۔ مزید ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو پابند سلاسل کر دیا گیا لیکن مرکزی حکومت پاکستان اور صوبائی حکومت پنجاب کے کارپرداز جو بزمِ خود مارشل لاء کے سہارے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ تحریک کو ہم نے ختم کر دیا۔ لیکن ہوا کیا جس اقتدار اور حکومت کو بچانے کے لئے یہ ظلم و ستم کیا گیا تحریک کے سیلاب، میں دونوں حکومتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ اور لٹکے کار پرداز اپنی موت تک اپنے زخم سہلاتے رہے جو مند مل نہ ہو سکے۔

اسی کس سپر سی کے عالم میں حکومت نے منیر انکوائری کورٹ کے نام سے نام نہاد تحقیقات کا ڈول ڈالا جس میں اور کچھ ہوا یا نہ ہوا لیکن دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مکتبہ فکر کے تنظیم اور نام ور علماء گرامی قدر، مفتیان عظام اور مجتہدین کو تصحیم کا نشانہ بنایا گیا اور لٹکے علم و مرتبہ کا خیال کئے بغیر انکی عزت و توقیر کو کم کرنے کی شعوری یا غیر شعوری بھرپور کوشش کی گئی۔

مولانا مظہر علی اظہر منیر انکوائری کمیشن میں:

تحریک میں شامل جماعتوں نے اپنے اپنے وکیل منیر انکوائری کورٹ میں اپنے اپنے کیس پلید کرنے کے لئے مقرر کئے۔ مجلس عمل کی طرف سے حسین شہید سہروردی مرحوم مقرر ہوئے۔ جبکہ حقیقتاً کیس مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے لڑا۔ مگر شوشی قسمت کہ حکومت کی احرار دشمنی کے باعث مجلس احرار اسلام کی وکالت کے لئے کوئی بڑا وکیل جرات نہیں کر رہا تھا۔ لاہور جیل میں حضرت امیر شریعت کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا مظہر علی اظہر صاحب ایڈووکیٹ کو پیغام بھیجا کہ وہ مجلس احرار اسلام کی وکالت کی ذمہ داری سنبھالیں نیز فرمایا کہ بھائی مظہر علی اظہر جیسا بہادر، تجربہ کار اور صاحب بصیرت ہی اس آرٹھنے وقت میں یہ فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

چنانچہ مولانا نے شاہ جی اور دوسرے احرار رہنماؤں کے پیغام پر لبیک کہتے ہوئے بخوشی یہ ذمہ داری قبول کر لی اور انکوائری کورٹ میں مجلس احرار کی طرف سے پیش ہو گئے۔ مولانا مظہر علی اظہر نہ صرف پنجاب ہائی کورٹ کے معزز و محترم وکیل تھے بلکہ وہ مجلس احرار اسلام کے باقی رہنماؤں میں سے تھے۔ نہایت شریعت

الطبع درویش صفت اور سادہ وضع قطع کے دبیلے پتلے باریش عظیم انسان تھے۔ ۱۹۳۲ء تک آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے مرکزی جنرل سیکرٹری رہے۔ اس وقت ملک میں انکا طوطی بولتا تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنما انکی خطابت کے سامنے ٹھہرنے کا یار نہ رکھتے تھے۔ ان کے سیاسی حملہ سے بڑے سے بڑا جفاوری لیڈر بھی لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ ان کی جوابی تقریر کا تو بہت ہی شہرہ تھا۔ اتنی مدلل اور پر مغز تقریر ہوتی جس سے بڑے بڑے لیڈروں کے دانت کھٹے ہو جاتے اور وہ خاموشی میں ہی حافیت سمجھتے۔

تھریک کشمیر ۱۹۳۰ء میں سب سے پہلے مولانا گرفتاری پیش کر کے بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئے جس کے پیچھے زبردست طواغ آئے۔ جس میں چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے احرار کے پرچم تلے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اس وقت تک کانگریس جیسی بڑی جماعت بھی اتنی عظیم قربانی پیش نہیں کر سکی تھی۔ علاوہ ازیں بہت سے لوگ جام شہادت نوش کر کے جنت مکمل ہوئے۔

تھریک مدح صحابہ بھی مولانا مظہر علی اظہر مرحوم کی قیادت میں مجلس احرار اسلام نے چلائی اور سب سے پہلا جتھہ لے کر مولانا ہی لاہور سے لکھنؤ گئے اور مدح صحابہ کہتے ہوئے گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۶ء کے انتخابات میں مجلس احرار اسلام کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

مولانا مظہر علی اظہر مرحوم کا آبائی شہر بٹالہ ضلع گرداس پور (انڈیا) تھا۔ بٹالہ تحصیل میں ہی قادیان واقع تھا اسلئے بٹالہ شہر احرار کا بہت قلعہ تھا۔ وہاں کے مسلمان احرار کے پرچم تلے مرزائیت کے خلاف ہمد وقت مصروف جہاد رہتے مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بٹالہ کے مسلمانوں کے جذبہ اسلامی سے متاثر ہو کر مندرجہ ذیل اشعار میں انکو خراج تحسین پیش کیا تھا۔

بٹالہ میں اسلام کا زور بازو
حریفوں کے چھکے چمڑایا کریگا
دیکھلایا کرے گا بٹالہ محمد
علم قادیان کا جھکایا کرے گا

حاجی عبدالغنی بٹالوی صدر ضلع مجلس احرار اسلام کی مرزائیوں کی سازش سے شہادت پر مفکد احرار چودھری افضل حق نے ایک عظیم احتجاجی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بٹالہ کے مسلمانوں کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی۔ ”کیا تم اپنے آپ کو خوش قسمت انسان نہیں سمجھتے کہ تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کی سب سے بڑی خدمت لے رہا ہے“

(جلسہ منعقدہ ۸ اپریل ۱۹۳۸ء)

(شہادت حاجی عبدالغنی صاحب ۲۸/۲۷ فروری ۱۹۳۸ء)

مولانا مظہر علی اظہر اسی بٹالہ شہر کا بایاسی ہونے اور مجلس احرار اسلام سے وابستگی کی وجہ سے انگریز کی

خانہ ساز نبوت اور قادیانیوں کے دجل و فریب سے مکمل طور پر آگاہ تھے اسی وجہ سے دوسری جماعتوں کے وکلاء صفائی مولانا سے وقتاً فوقتاً رہنمائی لیتے رہتے تھے۔ نیز جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداس پور کی عدالت میں جب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مشہور مقدمہ زیر سماعت تھا۔ اور جسکے تاریخی فیصلہ نے پہلی بار عدالت کے ذریعہ مرزائیوں کے جھوٹ کا پھول کھول کر تقدس کے اوڑھے ہوئے جھوٹے نقاب کو اتار پھینکا، جس سے پڑھا لکھا طبقہ پہلی بار مرزائیوں کے دجل و تلبیس اور طریقہ واردات سے آگاہ ہوا اسی مقدمہ میں مسٹر جسٹس منیر بطور سرکاری وکیل اور مولانا مظہر علی اظہر حضرت امیر شریعت کی طرف سے ایک دوسرے کے مد مقابل پیش ہو چکے تھے۔ انکوائری کورٹ دو جہوں پر مشتمل تھی۔ جس میں آنجنابی جسٹس منیر سربراہ اور دوسرے جج ایم آر کیانی منبر تھے۔ نامعلوم وجوہ کی بناء پر عام لوگوں کا تاثر یہی تھا کہ جسٹس منیر مولانا مظہر علی اظہر سے کچھ کچھ کچھے سے رہتے اور اکثر مولانا کو اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینے میں معاونانہ رویہ اختیار کرتے۔ ایک دن دوران سماعت جبکہ ماسٹر تاج الدین انصاری کا بیان جاری تھا مسٹر جسٹس منیر نے اچانک یہ غیر متعلقہ سوال کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ کہ مولانا آپ نے قائد اعظم کو کافر اعظم کہا تھا۔

مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ میں اس انکوائری میں کوئی فریق نہیں ہوں بلکہ مجلس احرار اسلام کا وکیل ہوں۔ اس لئے آپ کا مجھ سے یہ سوال خلاف ضابطہ ہے۔ نیز اسکا انکوائری سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے میں درخواست کروں گا کہ آپ صرف انکوائری کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

لیکن مسٹر جسٹس منیر اپنے سوال کے جواب کے لئے مصر رہا۔ اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ کورٹ کا حکم ہے کہ پہلے اس سوال کا جواب آپ کو دینا ہی ہو گا۔ ماسٹر جی نے بھی ٹالنے کے لئے کہا کہ جناب عالی یہ الیکشن کی باتیں الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جسٹس منیر نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آتے ہوئے پھر مولانا سے جواب مانگا۔

تو مولانا کی احراری حس جاگ اٹھی، فرمایا: بہتر ہوتا کہ آپ عدالتی طریق کار میں رہتے لیکن اگر آپ اس پر ہی بضد ہیں تو سن لیں کہ یہ قیام پاکستان سے قبل انتخابات کی بات تھی جو وقت کے ساتھ رفت گزشت ہو چکی ہے اگر آپ گڑے مردے اکھاڑنا ہی چاہتے ہیں تو سن لیں کہ قائد اعظم محمد علی جناح جس فرقے کے ایک فرد تھے میں اسکا عالم اور مفتی ہوں اس کی تصدیق اپنے ساتھی جسٹس کیانی صاحب سے آپ کر سکتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے مولانا مظہر علی صاحب نے مسٹر جسٹس کیانی کی طرف اشارہ کیا جس پر کیانی صاحب نے سر کی جنبش سے مولانا کی بات کی تائید کی۔ لیکن جسٹس منیر خاموش رہا جسکا مطلب تھا کہ بات جاری رہے۔ تو مولانا نے کہا کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے بمبئی کی ایک پارسی المذہب عورت رتنی بائی سے سول میرج لا کے تحت شادی کی تھی جس پر میں نے کہا تھا۔

اک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا یہ قائد اعظم ہے کہ کافر اعظم۔

اور مرحوم نے اپنی زندگی میں اس کی تردید نہیں کی تھی اس لئے میں اس سے رجوع نہیں کر سکتا اور اسی پر ہی قائم ہوں۔ میں نے تب بھی پوری جرأت سے کہا تھا اور آج بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔ یہ بات سن کر عدالت ہال میں سناٹا چھا گیا۔ جسٹس منیر کرسی سے اچھلا اور کہا کہ مسٹر مظہر علی آپکو باقی پاکستان کے متعلق اس جرأتِ اظہار پر خوف نہیں آیا؟ اب اگر آپ قتل کر دیئے جائیں تو؟ وہ مرد درویش بھلا کہاں رکنا اور خاموش رہتا۔

فوراً جواب دیا کہ یہ شعر میں لاکھوں کے اجتماعات میں ہندوستان کے بہت سے شہروں میں اپنی تھاریر میں کہتا رہا ہوں۔ لیکن مجھے روکنے ٹوکنے کی کسی نے بھی جرأت نہ کی تھی۔ اب اگر میں قتل ہوا تو اس کی ذمہ داری عدالت پر ہوگی۔ جس پر جسٹس منیر سٹ پٹا کر رہ گیا، پیشانی سے پسوند پونچھا، فوراً کرسی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ میاں محمد عالم بٹالوی ہائیکورٹ سے مولانا کے ساتھ ہی ان کے گھر گئے۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ گھر والوں نے پوچھا آج آپ یہ کیا کر آئے ہیں۔ آپنے بچوں کے مستقبل کا بھی خیال نہیں کیا۔ تو مولانا نے کہا کہ میں اسوہ حسینی پر عمل کر کے آیا ہوں۔ اب جو ہونا ہے ہو جائے۔ میں کسی کے لئے ڈر یا خوف سے مرعوب ہو کر حق کو حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

میاں محمد عالم بٹالوی مرحوم ہی کی روایت کے مطابق جب مولانا مظہر علی اظہر مرض الموت میں مبتلا تھے تو میں انکی عیادت کے لئے لاہور گیا۔ ہسپتال میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے میں لنگے سر بالیں کھڑا تھا۔ اور مولانا لیٹے لیٹے جلدی جلدی کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے اور اسی حالت میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے انا اللہ وانا الیہ راجعون! رہے نام اللہ کا نماز جنازہ ولی کامل حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ نے پڑھائی اس طرح ایک سچی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی!

جس دن مولانا مظہر علی اظہر مرحوم نے منیر انکوائری کورٹ میں قائد اعظم کے بارے میں جسٹس منیر کی تسلی کے لئے بیچ کا اظہار کیا دو سرے روز تک کے تمام اخبارات میں یہ خبر جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد قطب زماں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر پوری قدس سرہ اپنے چند متوسلین کے ہمراہ مولانا مظہر علی اظہر کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور انکی جرأتِ ایمانی کی داد ان الفاظ میں دی "مولانا آپنے تمام علماء کی لاج رکھ لی ہے، اللہ آپکو جزائے خیر دے۔"

ماسٹر تاج الدین انصاری لدھیانوی:

ماسٹر جی لدھیانہ جیسے مجاہدوں کے شہر کے ہاسی تھے جہاں کے علمائے کرام نے ۱۸۵۷ء کے پرخطر دور انحطاط و ابتلاء میں جب علمائے حق کے لئے ہر طرف پھانسیاں اور کال کوٹھڑیاں تھیں جاہر و قاہر انگریز حکومت کے

خلافت جہاد کا فتویٰ دیکر علم بغاوت بلند کیا۔ اور ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا۔ جس سے پورے ملک میں جہاد کی روح تازہ ہو گئی تھی۔

جب ماسٹر جی مجلس احرار اسلام میں شامل ہوئے میونسپل کمیٹی لدھیانہ کے معزز رک تھے۔ خوبصورت سرخ و سفید چہرہ پر سیاہ وارھی شربتی اور متحرک و متبس آئینیں انکی ذہانت و قابلیت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ منہنی اور دبیلے پٹے جسم کے ساتھ تیز دماغ کے زیرک ترین رہنما تھے۔ نیلوفر ٹیٹھی طبیعت کے مالک تھے۔ میٹھی میٹھی باتوں سے مخالف کا دل بھی موہ لیتے اور اپنی مسور کی گفتگو سے مخاطب کو ایسا جکڑ لیتے تھے کہ اسکو اپنی بے مائیگی کا احساس اس وقت ہوتا جب وہ چاروں شانے چت ہو چکا ہوتا یوں سمجھیے کہ

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ احرار میں شامل ہوئے تو اپنے ان ہی اوصاف کی وجہ سے جلد ہی مجلس احرار اسلام کے صنف اول کے رہنماؤں میں نظر آنے لگے۔ چودھری افضل حق ان کی ذہانت کے معترف تھے اور جب بھی جماعت پر کوئی نازک مرحلہ آیا تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چودھری صاحب کی نظر انتخاب ہمیشہ ماسٹر جی پر ہی پڑی!

۳۴ء میں مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کے دحل و تلبیس اور انہی اسلام کے خلاف بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کا محاسبہ کرنے کیلئے دائرہ وسیع کرنے کی ثنائی تو چودھری صاحب نے اپنے اس نابغہ روزگار ساتھی ماسٹر تاج الدین انصاری کو لاہور بلا کر قادیان میں متعین کیا تاکہ قادیان جہاں فرنگی حکومت نے اپنے خود کاشہ پودے کی بے جا ناز برداریاں کر کے شتر بے مہار کر دیا تھا۔ انکو گلام دی جاسکے! وہاں پر مجلس احرار اسلام کا دفتر قائم کر کے منارۃ المسیح کے زیر سایہ ہونیوالے ظلم و ستم اور وہاں کے لوگ جنہی زندگی قادیانیوں نے اجیرن بنا رکھی تھی اور پچارے ایک باجگزار مظلوم رعایا کے طور پر کمپرسی کی حالت میں دوسرے سرے سرے شہریوں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ حتیٰ کہ مرزائیوں کی مرضی کے خلاف کوئی شخص قادیان میں رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ قادیان کی حالت اسوقت کیا تھی۔ چنانچہ جی۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور (انڈیا) نے شاہ جی کی ایک اپیل کے فیصلہ میں قادیان کی حالت پر اپنے فیصلہ میں تحریر کیا ہے! کہ چودھری فتح محمد کا عدالت میں یہ اقرار صلح یہ بیان کرنا تعجب انگیز ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا مگر پولیس اس معاملہ میں کچھ نہ کر سکی جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مرزائیوں کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ گواہ سامنے آکر سچ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا واقعہ بھی ہے کہ عبدالکریم (مباہلہ) کو قادیان سے خارج کرنے کے بعد اسکا مکان نذر آتش کر دیا گیا، اور قادیان کی "سمال کمیٹی" نے حکم کر کے نیم قانونی طور پر اسے گرانے کی کوشش کی۔

یہ افسوسناک واقعات اس بات کی "منہ بولتی شہادت" ہیں کہ قادیان میں "قانون کا احترام" بالکل اٹھ

چکا تھا، آتش زنی اور قتل تک کے واقعات ہوتے تھے، مرزا کا کروڑوں مسلمانوں کو شدید و شام طرازی کا نشانہ بنانا اسکی تصانیف "اسقف اعظم" کے اخلاق کا انوکھا مظاہرہ ہیں جو صرف نبوت کا مدعی نہ تھا؟ بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان اور مسیح ثانی ہونے کا مدعی تھا۔ معلوم ہوتا ہے قادیانیت کے مقابلہ میں حکام غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔ ماخوذ (مشاہدات قادیان صفحہ نمبر ۱۴۹ مصنف مولانا عنایت اللہ چشتی)

فیصلہ جی ڈمی کھوسلہ:

لہذا ان حالات میں ماسٹر تاج الدین انصاری نے تقریباً دو سال سے زیادہ عرصہ قیام کر کے وہاں پر پہلے سے موجود مجلس احرار اسلام کے مبلغ مولانا عنایت اللہ چشتی کو ساتھ لیکر ایسا تانا بانا کر چند ماہ کے اندر اندر مسلمانوں بلکہ ہندو اور سکھوں میں بھی ایک ہمت اور حوصلہ پیدا ہو گیا۔ جس سے وہ مرزائیوں کے منہ آنے لگے۔ حتیٰ کہ قادیان کے ایک غریب خاکروب کے بیٹے محمد ضعیف نے مرزا غلام احمد کے خاندان کے ایک فرد مرزا شریف احمد کو بھرے بازار میں دن دہارے جھاڑو ٹانگوں میں پھنسا کر زمین پر گرایا اور اسکی در پر جھاڑو مار مار کر ہلکان کر دیا اور سخت بے عزت کیا یہ سب کیا دھرا ماسٹر جی کا تھا کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ جب مرزا غلام احمد کا ذب کی ذریت کا کوئی بھی فرد بازار میں ٹھکتا ہے تو لوگ دورو یہ کھڑے ہو کر سلامی دیتے ہیں۔ دو کا ندر سرو قد کھڑے ہو جاتے کیونکہ ان کو بتایا گیا تھا کہ یہ سب شعار اللہ ہیں (اللہ کی نشانیاں) ماسٹر جی نے اس جھوٹے تقدس کو توڑنے کے لئے یہ کارروائی کر دی! اور اس تدبیر اور کارروائی سے پہلی مرتبہ ذلت و خواری کا مرزائیوں کو منہ دیکھنا پڑا۔ جس سے جھوٹی نبوت کے تقدس اور مرزا محمود کی خلافت کو ایک زبردست دھچک لگا۔ دوسرا عجیب واقعہ حضرت امیر شریعت کی قادیان میں داخلہ پر یکے بعد دیگرے پابندی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت امیر شریعت کو قادیان کی سرزمین میں اسلام کی تبلیغ سے محروم رکھا جا رہا تھا تاکہ مرزائیوں کے جھوٹ و افتراء کا پول نہ کھل جائے۔ حکومت کبھی تھی کہ امیر شریعت کے قادیان جانے سے اسن و امان کو خطرہ ہے اس لئے پابندی ضروری ہے!

ماسٹر جی نے اس مسئلہ کو اپنے ناخن تدبیر سے اس طرح حل کیا کہ غیر تو غیر اپنے بھی ماسٹر جی کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ جس دن شاہ جی کے قادیان میں داخلہ پر پابندی کا آخری دن تھا قادیان کے قریب ایک موضع بجانب ٹہمی میں شاہ جی کا جلسہ رکھ لیا۔ رات کو گرد و نواح کے ہزار ہا لوگ شاہ جی کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہونے کے لئے جوق در جوق جلسہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت امیر شریعت بھی احرار رضا کاروں کے جلوس میں لاری کے ذریعہ بٹالہ سے تشریف لائے۔ رات کو اپنے مخصوص انداز میں لوگوں سے خطاب فرمایا۔ تقریر سے فارغ ہو کر جس لاری سے آئے تھے اسی پر بٹالہ واپس جانے کے لئے سوار ہوئے۔ لیکن ماسٹر جی نے اپنی حکمت عملی کے تحت بغیر کسی پر ظاہر کئے لاری کے ڈرائیور کو بٹالہ جانے کی بجائے قادیان جانے پر آمادہ کر لیا۔ حضرت امیر شریعت اور ماسٹر جی کی قیادت میں یہ فائلہ قادیان کی حدود میں داخل ہوا تو شاہ جی نے ماسٹر

جی سے پوچھا کہ یہ کس نئے راستے سے آپ بٹالہ لے آئے ہیں یہ وہ راستہ تو نہیں جس سے کل ہم گئے تھے تو ماسٹر جی نے بتایا حضرت یہ قادیان ہے اور وہ سامنے مرزا بشیر الدین کا قصر خلافت ہے یہ دیکھ کر حضرت امیر شریعت بہت ہی مسرور ہوئے۔

لاری شہر میں داخل ہو گئی۔ شاہ جی کو ایک محفوظ مکان میں ٹھہرایا گیا۔ یہ خبر پورے قادیان میں آنا فانا پھیل گئی لوگ حضرت امیر شریعت کی زیارت کے لئے جوق در جوق آنے لگے شہر میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا گیا۔ نماز ظہر کے بعد جلوس کی شکل میں شاہ جی کو قصر خلافت والی گلی سے گذار کر جلسہ گاہ لے جایا گیا۔ یہ دوسری شکست و ذلت تھی جو مرزائیوں اور حکومت کو اٹھانا پڑی۔ شاہ جی نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے جھوٹی نبوت اور اسکی ذریت کو بھاگ دہل لکار کر کہا کہ میں اور میری جماعت سارکان ختم نبوت کا محاسبہ اور مقابلہ اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں ہم نے تیرے باپ کو نبی بنانے والی حکومت کو برداشت نہیں کیا۔ بشیر الدین تیری خلافت؟ کیا پندی اور کیا پندی شور بہ کے مترادف ہے۔ ہمت ہے تو آؤ میں تیرے شہر میں ہوں اور تو بیٹھا میری آواز بھی سن رہا ہے! لیکن میں کہتا ہوں کہ تو بخاری تو کیا میرے ایک رضاکار کے سامنے بھی دم نہیں مار سکتا۔

جلسہ بخیر خوبی ختم کر کے حضرت امیر شریعت اسی لاری کے ذریعہ باقی ساتھیوں کے ہمراہ بٹالہ تشریف لے گئے۔

اس طرح ماسٹر تاج الدین انصاری کے حسن تدبیر اور ذہانت سے شاہ جی کی قادیان میں داخلہ سے بد امنی کے جھوٹ کی قلعی کھل گئی جس سے مرزائیوں کے ایما پر بار بار پابندی لگانے والی حکومت کو بھی خفت اٹھانا پڑی۔ (جاری ہے)



فدائے احرار

عظیم مجاہد آزادی

مولانا محمد گل شیر شہید

قیمت:

مؤلف:

۱۵۰ روپے

سوانح و افکار و خدمات
صفحات ۴۰۴

محمد عمر فاروق

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان : فون: ۵۱۱۹۶۱